© rasailojaraid.com

FF44-C

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

ازراہ کرم، درج ذیل پتوں پر ترجمان کا نمونے کا پرچہ / تعارفی بروشر ارسال کر دیں۔ امید ہے کہ یہ خریدار بن جائیں گے۔ نام ____________

پتا ____________

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

نام ____________

پتا ____________

شہر / مقام ____________ ☐☐☐☐☐

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

میں ماہ ________ سے سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔ مطلوبہ رقم ________

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہے / کا وی پی کر دیجیے

نام ________

پتا ________

شہر / مقام ________ | | | | | |

محترم مینیجر صاحب، السلام علیکم!

درج ذیل پتے پر ایک سال کے لیے میری جانب سے بطور ہدیہ جاری کر دیجیے۔ -/150 روپے

بذریعہ بنک ڈرافٹ / منی آرڈر ارسال ہیں۔

بھیجنے والے کا نام ________

پتا ________

نام ________

پتا ________

شہر / مقام ________ | | | | | |

اندرون ملک

1 سال	Rs.150
2 سال	280
3 سال	420

بیرون ملک

	1 سال	2 سال	3 سال
1- بھارت	Rs. 300	Rs. 590	Rs. 870
2- بنگلہ دیش، ایران	450	880	1320
3- مشرق وسطیٰ، یورپ، مشرق بعید، افریقہ	650	1280	1920
4- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	900	1780	2670

- بیرون لاہور بنک کے چیک میں 52 روپے کا اضافہ کر دیجیے۔
- بیرون ملک کے بنک کے چیک ارسال نہ کیے جائیں۔

یہ ورق جدا کر کے لفافے میں رکھ کر ٹکٹ چسپاں کر کے حوالہ ڈاک کر دیجیے۔

مینیجر ماہنامہ ترجمان القرآن، اے-5 ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

9 انسانوں کے ساتھ کام کرنا آسان ہونا چاہیے

کام کا انحصار کام کرنے اور کام لینے والوں کے درمیان تعلقات پر ہوتا ہے۔ اگر تعلقات بہتر ہوں تو کام بھی بہتر ہوتا ہے' اور تعلقات خراب ہوں تو کام بھی خراب ہوتا ہے۔ تعلقات کو موزوں رویے اور بہتر سلوک کے ذریعے تعمیر کیا جاتا ہے۔

اگر درج ذیل باتوں سے اجتناب کیا جائے تو تعلقات کی ایسی فضا پروان چڑھتی ہے جس میں کام کرنا اور کام لینا مشکل نہیں' بلکہ آسان اور دلچسپ ہو جاتا ہے۔

- فرد اور اس کے کام کے درمیان فرق نہ کرنا ـــــ یعنی کام خراب ہو تو فرد کو بھی خراب ہی سمجھا جائے۔
- فرد کے بارے میں ایک دفعہ رائے بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنا لینا ـــــ یعنی آیندہ بہتری کی گنجایش نہ رکھنا۔
- فرد کو سمجھے بغیر نصیحت کرنا ـــــ تحقیق کے بغیر گمان پر چلنا۔
- اپنی بات غلط ہو' تو اڑنا' اور دوسرے کی غلطی ہو تو' معاف نہ کرنا۔
- انفرادی طور پر کیے گئے اپنے وعدے کو پورا نہ کرنا۔
- اپنے اچھے سلوک کی تشہیر کرنا۔
- فرد کی استطاعت کا صحیح اندازہ نہ لگانا' کم یا زیادہ توقع رکھنا۔
- افراد کے ساتھ جھگڑے میں پڑنا اور دوسرے کے جھگڑے میں شریک ہو جانا۔
- حددرجہ مذاق اور چست جملوں کے تبادلے کے ذریعے بے معنی گفتگو میں وقت گزارنا۔
- ذمہ دار اور غیر ذمہ دار رویے کو ایک نظر سے دیکھنا۔

سنابل العلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ خواتین کا اپنا منفرد انداز کا رسالہ

حجاب میگزین

مدیرہ: ڈاکٹر شگفتہ نقوی

☆ نئے دور کے نئے حالات سے ہم آہنگ

نئے چیلنج اور خواتین کے مسائل کے حل کے ساتھ

☆ خواتین کے موجودہ رسائل سے بہتر معیار

تازہ شمارہ قریبی بک اسٹال یا تحریکی ہاکر سے طلب کریں

سالانہ خریداری 200 روپے

امریکہ، یورپ، جاپان، آسٹریلیا 30 ڈالر مشرق وسطیٰ 100 ریال

برائے رابطہ P-88 سکیم نمبر 212/1 فیصل آباد فون 645429

بچیوں کیلئے اصلاحی اور تحریکی مجلہ

سہیلی میگزین

سالانہ خریداری 100 روپے

امریکہ، یورپ، جاپان، آسٹریلیا 15 ڈالر مشرق وسطیٰ 50 ریال

نفسیاتی بیماری .. نفسیاتی علاج

کیا آپ کو علم ہے؟

تشویش، گھبراہٹ، بے چینی، خوف، ڈیپریشن، اداسی، افسردگی، وہم، وسوسے، ٹینشن، ذہنی دباؤ، لکنت، بے خوابی، جنسی مسائل، شرمیلا پن، تعلیمی مسائل اور خود اعتمادی میں کمی وغیرہ نفسیاتی مسائل ہیں۔

ان کا حل نشہ آور ادویات نہیں، بلکہ نفسیاتی علاج ہے

کامیاب اور مختصر نفسیاتی طریقہ علاج کے لیے

پروفیسر ارشد جاوید

ایم اے نفسیات (پاکستان، امریکہ)

ہپناٹسٹ، ماہر نفسیاتی علاج (امریکہ)

آمنہ میڈیکل کمپلیکس، 686- شادمان I، لاہور (بالمقابل فاطمہ میموریل ہسپتال)

فون، کلینک: 7598807 رہائش: 7576430 - 7585490

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبادی کی منصوبہ بندی

مغربی تہذیب کے غلبے کا کھیل

امجد عباسی

انسان کمزور ہے اور ناقص العلم بھی۔ وہ وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بے اعتدالی' فساد اور انتشار کا باعث بنتا ہے۔ یہی وہ چیلنج ہے جو قرآن نے بہ بانگ دہل دیا ہے کہ اسلام نے زندگی کے مسائل کے حل کے لیے جو نظام دیا ہے وہی صراط مستقیم اور مسائل کا مستقل اور منصفانہ حل ہے۔ اگر انسان کوئی نظام بنا کر دکھا سکتا ہے تو بنا لے' اس کے نتائج خود سامنے آجائیں گے۔ انسان نے اپنے زعم میں ہمیشہ ایسی جسارتیں کی ہیں۔ ہمارے عہد میں سرمایہ داری نظام اسی کا ایک شاخسانہ ہے' جس کی ناکامی کیمونزم اور اشتراکیت پر منتج ہوئی۔ انسانی "مساوات" کا یہ غیر فطری نظام محض ۷۰ سال میں اپنی موت آپ مرگیا۔ عقل والوں کے لیے اس میں نشانی ہے مگر ان کے لیے جو سمجھیں!

ایسی ہی ایک جسارت اقوام مغرب کا تحدید آبادی (آبادی کو کم کرنا) یا خاندانی منصوبہ بندی کا نظریہ ہے۔ اہل مغرب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ افراط آبادی کے نتیجے میں وسائل کی قلت اور مسائل میں اضافے کا خدشہ ہے۔ مالتھس اور اس قبیل کے لوگوں نے بڑی جدوجہد اور تحقیق کے بعد اعداد و شمار کے ذریعے ایک ہولناک تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی۔ دین و مذہب سے بیزار مغرب اور خدا ناآشنا تہذیب نے خدائی احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی خدائی کے تحت اس فلسفے کو پوری شدومد کے ساتھ نہ صرف پیش کیا بلکہ ایسے اقدامات کیے کہ خاندانی منصوبہ بندی مغربی تہذیب کا ایک شعار بن گئی۔ شرح پیدائش کم ہونے کے نتیجے میں مغرب کی آبادی تیزی سے کم ہونے لگی۔

آج مغرب اپنی تمام تر ترقی' بالادستی اور غلبے کے باوجود اپنی ہی حکمت عملی کا شکار ہوتا نظر آ رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے دور رس اثرات جو ظاہر بین نگاہوں سے قطعی طور پر نظر نہیں آ رہے تھے' اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھل کر سامنے آ رہے ہیں۔ مغرب کو اپنی کم شرح پیدائش کے نتیجے میں اب خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ دنیا کی دوسری اقوام اپنی کثرت آبادی کے نتیجے میں ان پر غالب آ سکتی ہیں جس کے نتیجے میں ۲۱ویں صدی میں دنیا میں حیرت انگیز جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ اس حیرت انگیز تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ عالمی طاقتوں کو اس بات کا خدشہ ہے کہ آنے والے دنوں میں زیادہ آبادی اور زیادہ شرح پیدائش والے ممالک کی حیثیت کم آبادی اور کم شرح پیدائش والے ممالک کے مقابلے میں ثقافتی' نفسیاتی اور کئی دیگر حوالوں سے بہت مختلف ہو گی اور مجموعی طور پر انھیں سیاسی برتری حاصل ہو گی۔

بہ ظاہر یہ بات ناقابل فہم لگتی ہے کہ بڑا خاندان یا زیادہ آبادی والے ممالک مثلاً یوگنڈا' ماریطانیہ دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ ممالک اور عالمی قوتوں پر غالب ہوں گے۔ دنیا کی موجودہ شرح پیدائش کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اندازے کے مطابق اگر آج ایک یمنی خاتون کے ہاں سات بچے ہوتے ہیں اور آیندہ تین نسلوں تک یہی شرح پیدائش رہے تو ایک یمنی خاتون کے ۴۹ پوتے' ۳۴۳ پڑپوتے اور ڈھائی ہزار بچے اس سے اگلی نسل میں ہوں گے۔ دوسری طرف مغرب میں اوسطاً خاندان بمشکل ایک بچے پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے ایک یمنی خاتون کے مقابلے میں جرمنی' اسپین یا اٹلی کی ایک خاتون کے ہاں ایک بچہ ہو گا' ایک پوتا' ایک یا دو پڑپوتے اور غالباً دو یا تین بچے اگلی نسل میں ہوں گے۔ یہ یقیناً یمن' سعودی عرب' ملائیشیا' صومالیہ اور ایسے ہی دیگر ممالک کے مقابلے میں آبادی کے بہت نمایاں فرق کا باعث ہو گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کثیر آبادی کس طرح سے جغرافیائی اور سیاسی بالادستی کی حامل ہو سکتی ہے؟ بعض مغربی ماہرین نے اس حوالے سے اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر بڑھتی ہوئی آبادی کا یہی تناسب رہا تو آج کی عالمی طاقتیں اپنے تمام تر وسائل' قوت اور بالادستی کے باوجود اپنی کم آبادی کی وجہ سے بالآخر بے وزن ہو کر رہ جائیں گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب کی صنعتی ترقی کے لیے افرادی قوت اور خام مال کی فراہمی کا بڑا ذریعہ ترقی پذیر ممالک ہیں۔ جیسے جیسے ان ممالک کی افرادی قوت اور خام مال کی فراہمی کا تناسب بڑھتا جاتا ہے' اسی تناسب سے ان کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے اور اقتصادی توازن بتدریج ان کے حق میں بدلتا جاتا ہے۔ مثلاً لیما (پیرو) اور عمان (اردن) میں جہاں ۳۰ سال قبل ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور کچی آبادیاں نمایاں تھیں۔ آج آرام دہ کشادہ گھر' بڑی تعداد میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ قاہرہ پھیل کر نیویارک کے ہم پلہ ہو گیا ہے اور نمایاں طور پر ایک جدید شہر ہے۔ اسی طرح ایشیا کے دیگر شہر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ہارورڈ یونی ورسٹی کی ۱۹۹۱ کی ایک تحقیق کے مطابق لاطینی امریکہ کی آبادی گذشتہ صدی کے آغاز کے مقابلے میں سات گنا زیادہ ہو چکی ہے اور فی کس آمدنی پانچ گنا بڑھ چکی ہے۔ یہ تحقیق مالتھس کے نظریہ آبادی کی بھی نفی کرتی ہے جس کے مطابق آبادی کے بڑھنے کے تناسب سے وسائل میں اضافہ نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تحقیق امریکی فوج نے کروائی تھی۔ اس کا مقصد امریکی امداد کا جائزہ لینا نہیں تھا بلکہ اس کا بنیادی مقصد آنے والے خطرات کی نشان دہی کرنا تھا۔ رپورٹ کے مطابق: آبادی اور معاشی ترقی میں اضافے کا رجحان ایک عالمی فضا تیار کر سکتا ہے جو دفاعی نقطہ نظر سے اس سے زیادہ شدید ہو گی جس سے سرد جنگ کے زمانے میں مغرب کے اتحادیوں کو سامنا تھا۔

اگرچہ یہ مفروضہ ہے اور دنیا میں اس انداز میں جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیوں کے بہ ظاہر کوئی آثار نہیں ہیں لیکن مغربی ماہرین اور قیادت اس بدلتے ہوئے رجحان سے پوری طرح چوکنے ہیں۔ انھیں خدشہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کا اقتدار چھن سکتا ہے اور وہ زوال کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر مغرب میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ نارتھ کارولینا سنٹر برائے تحقیق آبادی اور تحفظ کے ڈاکٹر سٹیفن ڈی مفرڈ نے اپنی کتاب: Population Growth Control: The Next Move is America's میں ۲۰ سال قبل ۱۹۷۷ میں شائع ہوئی تھی' واضح طور پر لکھا ہے کہ دنیا کی آبادی کی تحدید کے لیے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہے "اب وسیع پیمانے پر مداخلت لازماً کرنا ہو گی کیونکہ ہماری بقا خطرے میں ہے" (our survival is at stake)۔

یہ وہ تشویش ہے جو مغرب کو دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی سے لاحق ہے۔ اگلی صدی کے آیندہ چند سال فیصلہ کن ہوں گے۔ تحدید آبادی کی کیا صورت ہو گی' اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ترقی پذیر ممالک اس پر کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں اور کس حد تک عالمی سیاست و جغرافیائی صورت حال پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

مغربی ماہرین اور اسکالر جن میں بنجمن فرینکلن' برٹ رینڈرسل' امریکی صدر تھیوڈر روز ولٹ وغیرہ شامل ہیں' سب کو یورپ کی گھٹتی ہوئی شرح پیدائش پر ابتدا ہی سے تشویش لاحق تھی۔ بنجمن فرینکلن نے ۱۷۵۱ میں مقامی لوگوں اور افریقہ کے کالوں کے مقابلے میں سفید فام لوگوں کی مجموعی طور پر گھٹتی ہوئی آبادی کے پیش نظر آبادی کو بڑھانے کے لیے خصوصی اقدامات پر زور دیا۔ امریکی صدر تھیوڈر روز ولٹ (۱۹۰۱-۱۹۰۹) کو مجموعی طور پر امریکی سفید فام آبادی کے مقابلے میں ایشیا' مشرقی یورپ' لاطینی امریکہ اور افریقہ کے باشندوں کی کثیر شرح پیدائش پر تشویش لاحق تھی۔ برطانوی فلاسفر برٹ رینڈرسل کی کتاب: Marriage and Morals' ۱۹۲۹ میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی جس میں اس نے مشرقی یورپ میں تیزی سے گھٹتی ہوئی شرح پیدائش پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اگر شرح پیدائش میں اضافہ نہ کیا گیا تو ایک وقت آئے گا جب طاقت ور افواج کی حامل قوتوں کے مقابلے میں زیادہ شرح پیدائش کی حامل قومیں طاقت میں بڑھ جائیں گی اور یوں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔ چنانچہ اس نے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر شرح پیدائش بڑھانے کے لیے حکومتی سطح پر اقدامات اٹھانے کے لیے بھرپور زور دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مغربی ماہرین کا بیسویں صدی کے نصف ہی میں خیال تھا کہ کم شرح پیدائش کی وجہ سے سفید فام آبادی پر بتدریج غیر سفید فام آبادی غالب آ جائے گی۔ آج اس بات کو ایک جدید اصطلاح differential fertility سے واضح کیا جا رہا ہے۔ یعنی ایسی صورت حال جب دو یا دو سے زیادہ طبقات آبادی واضح طور پر مختلف شرح پیدائش کے حامل ہوں تو اس سے مجموعی طور پر آبادی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان اثرات کا جائزہ دو طریقوں سے لیا جا سکتا ہے۔ ایک طریقہ critical mass کا ہے جس میں جائزہ لیا جاتا ہے کہ ایک محدود مگر باصلاحیت گروہ کس طرح سے اکثریت پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ معاشی طور پر سرگرم آبادی (EAP) کا ہے جس کے تحت ۱۵ سال سے ۵۵ سال کی عمر کے افراد کے لحاظ سے جو عملاً ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعے معاشرے پر اثرانداز ہوتے ہیں، جائزہ لیا جاتا ہے۔

Critical Mass کے نظریے کی ایک بہترین مثال جنوبی افریقہ کی ہے۔ ۱۹۵۱ میں جب سفید فام حکومت افریقہ میں قائم کی گئی تو آبادی کا تناسب تین اور ایک کا تھا، یعنی تین سیاہ فام افراد کے مقابلے میں ایک سفید فام۔ ایک نسل گزرنے کے بعد یہ تناسب سات اور ایک کا ہو گیا۔ اس شرح پیدائش کو سامنے رکھتے ہوئے، ۱۹۸۰ کے ایک جائزے کے مطابق، ۲۱ویں صدی میں یہ فرق گیارہ اور ایک کا ہو جائے گا، یعنی گیارہ سیاہ فام کے مقابلے میں صرف ایک سفید فام۔ طویل المیعاد منصوبہ بندی کے موضوع پر امریکی فوج کی ایک کانفرنس کی رپورٹ کے مطابق جنوبی افریقہ کی حالیہ آزادی کی دیگر وجوہات کے علاوہ ایک اہم وجہ سیاہ فام آبادی کا اکثریت میں ہونا بھی تھا۔ جنوبی افریقہ کی سفید فام قیادت کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اکثریتی آبادی پر ان کے لیے حکمرانی کا وہ انداز اب کامیاب نہیں ہو سکتا جو ماضی میں تھا۔ چنانچہ انھوں نے آزادی دے کر اپنے مفادات کے تحفظ میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

آبادی کی اکثریت کس طرح سے جغرافیائی اور سیاسی طور پر اثرانداز ہوتی ہے، یہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہی تصور دیگر کئی ممالک کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسرائیل کی مثال لی جا سکتی ہے جہاں ایک یہودی خاندان کے مقابلے میں ایک عرب خاندان کے افراد کی تعداد میں نمایاں فرق ہے۔ اسی طرح لبنان کا مسئلہ ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی عیسائیوں کے مقابلے میں نمایاں فرق کی حامل ہے اور مسلمانوں کی شرح پیدائش بھی مقابلتاً زیادہ ہے۔

سی آئی اے کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر برائے انٹیلی جنس رے ایس کلائن (Ray. S. Cline) نے اس نظریے پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی کتاب: The Power of Nations in the 1990s, A Strategic Assessment میں لکھا ہے کہ اگر ایک بڑا خطہ زمین کثیر آبادی کا حامل ہو گا تو وہ فطری طور پر قوت کا حامل ہو گا اور ملکی پالیسیوں اور خارجہ امور پر اثرانداز ہو گا۔ گویا کثیر آبادی ملکی وسائل، طاقت کے توازن اور امور مملکت پر اثرانداز ہونے کی قوت رکھتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نظریہ ۱۹۹۰ میں نمایاں طور پر ابھر کر اس وقت سامنے آیا جب نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ڈیموگرافکس پیرس کے جین کلائیڈے چیسنس (Jean Claude Chesnais) نے ایک فیچر کے ذریعے اس بات کو واضح کیا کہ آیندہ چند عشروں میں کثیر آبادی کی بنا پر دنیا میں واضح سیاسی و جغرافیائی تبدیلی آنے کے امکانات ہیں جس کے عمومی آثار نمایاں ہیں۔ آبادی کی بنیاد پر نئی طاقتیں ابھریں گی جب کہ پہلی طاقتیں اپنی آبادی میں کمی کی بنا پر زوال پذیر ہو جائیں گی۔

آبادی کس طرح سے اثرانداز ہو سکتی ہے' اس کا اندازہ ماہر اقتصادیات Milica Zarkovic Bookman کی کتاب: The Demographic Struggle for Power: Engineering in the Modern World (1997) سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق تین بنیادی اصول ہیں جو آبادی کی بنیاد پر وسائل اور طاقت کی منتقلی کا باعث بنتے ہیں۔

۱۔ ایک بڑے گروہ میں زیادہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ سیاسی دباؤ کے ذریعے قومی وسائل پر اثرانداز ہو سکے۔

۲۔ ایک بڑا گروہ پالیسی سازی پر بھی اثرانداز ہو سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک محدود حکمران گروہ کثیر آبادی کے حامل گروہ کے اثرات کی بنا پر ان کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ زیادہ اثر و رسوخ اور وسائل کا حامل ہو جاتا ہے۔

۳۔ زیادہ آبادی زیادہ علاقائی وسائل و سہولیات سے مستفید ہوتی ہے۔ اگر ایک گروہ اپنی آبادی کی بنا پر کسی علاقے میں غالب ہے تو فطری طور پر انفراسٹرکچر کا بڑا حصہ اس پر مشتمل ہو گا۔ نتیجتاً وہ اپنے تناسب کی بنا پر دیگر سہولیات کے علاوہ معاشی وسائل کے بڑے حصے کا حق دار بن جاتا ہے۔

مصنف کے بقول یہ اصول خاص طور پر ان علاقوں میں لاگو ہوتے ہیں جہاں اکثریت اور اقلیت میں اقتصادی ناہمواری پائی جاتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ صورت حال مجموعی طور پر عالمی سطح پر پائی جاتی ہے۔

کثیر آبادی کے حوالے سے ایک اور پہلو فوجی برتری اور جدید ہتھیاروں کی تیاری کا بھی ہے۔ بلاشبہ کسی ملک کو اپنے حریف ملک پر ہتھیاروں اور فوجی قوت کی بنا پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ہتھیاروں کی تیاری اور فوج کی تربیت کے لیے یقیناً دفاعی بجٹ اور وسائل کا بڑا حصہ درکار ہوتا ہے۔ اگر ٹیکس دہندوں کا حلقہ وسیع ہو گا تو زیادہ وسائل اکٹھے ہوں گے۔ اس لیے وسیع آبادی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مغرب کو اس بات پر تشویش ہے کہ ان کی شرح پیدائش بتدریج گرتی جا رہی ہے۔ پینٹاگون کی ۱۹۸۸ میں تحقیق کے مطابق یہ مستقبل میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کی فوجی برتری پر کئی حوالوں سے اثرانداز ہو سکتی ہے۔ ایک طرف شرح پیدائش کی کمی کی بنا پر بھرتی کے لیے نوجوانوں کی کمی کا مسئلہ ہے تو دوسری طرف عمر رسیدہ افراد کا بڑھتا ہوا تناسب ہے جو کچھ کمانے کی پوزیشن میں تو نہیں البتہ پنشن اور دیگر سہولیات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں ملکی بجٹ پر ایک بوجھ ہیں' جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جدید ہتھیاروں کی تیاری خاصا مہنگا کام ہے جس کے لیے وافر وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ آبادی میں اضافے کی شرح میں کمی' ۱۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے افراد جو کہ ٹیکس دہندگان کا حلقہ ہے' ان کے تناسب میں کمی' اور بوڑھے افراد کے تناسب میں اضافے کی بنا پر بتدریج وسائل اور ٹیکس کے حصول کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کثیر آبادی والے ممالک میں ۱۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے حامل افراد کا تناسب زیادہ ہونے کی بنا پر وسائل اور ٹیکس کے حصول کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ پھر مہلک ہتھیاروں کا موجود ہونا تحفظ کی یقینی ضمانت بھی نہیں ہے۔ اسرائیل کے پاس ایٹم بم اور دیگر مہلک ہتھیار موجود ہیں لیکن وہ فلسطین کے ان نوجوانوں کے آگے بے بس ہے جو پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا مقابلہ کر رہے ہیں' اس لیے کہ ایٹم بم چلانے کے نتیجے میں اسرائیل خود بھی اس کی لپیٹ میں آتا ہے۔ اگر کوئی نوجوان اپنے ساتھ بم باندھ کر حملہ آور ہو جائے تو اس کے سامنے جہاز اور ٹینک بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

فوجی برتری پر آبادی کس طرح سے اثرانداز ہوتی ہے اس کی نشان دہی ایک کتاب: Population and World Power میں بڑے واضح طور پر کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۱ میں شائع ہوئی تھی جب سرد جنگ اپنے عروج پر تھی۔ مصنفین کیتھرین (Katherine) اور اے ایف کے آرگانسکی (AFK Organski) کے مطابق جدید مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے لیے صنعت کی متحمل صرف ایک عظیم اور کثیر آبادی کی قوم ہی ہو سکتی ہے۔ صرف وہی قومی حکومت اس قسم کے ہتھیاروں کی متحمل ہو سکتی ہے جو کروڑوں ٹیکس دہندگان اور اربوں ڈالر سرمایے کی حامل ہو۔

اسی قسم کے خدشات سیمنول ہنٹنگٹن کے پیش نظر بھی تھے جب اس نے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilisations) کا تصور پیش کیا تھا۔ اس نظریے میں بھی' زیادہ اہم بات تہذیبوں کا تصادم نہیں تھی بلکہ آبادی کا مسئلہ ہی تھا۔ اس کے خیال میں کسی گروہ کی عددی قوت یعنی افرادی قوت میں اضافے کے نتیجے میں دوسرے گروہوں پر سیاسی' معاشی اور سماجی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ زیادہ اہم بات جس کو بیان کرتے ہوئے وہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا ہے' وہ یہ ہے کہ یہ عمل کم آبادی والے گروہوں پر فوجی دباؤ بڑھا دیتا ہے۔ یقیناً کم آبادی والے ممالک یورپ اور امریکہ ہی ہیں۔ ہنٹنگٹن کو اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بالخصوص نوجوانوں کا بڑھتا ہوا تناسب' کسی انقلاب یا بڑی تبدیلی کا محرک ثابت نہ ہو' لہٰذا وہ زور دیتا ہے کہ اس کا سدباب بہرحال ہونا چاہیے۔

موجودہ صدی اختتام پذیر ہے۔ آج دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے۔ مجموعی طور پر مسلمان ایک ارب سے زیادہ ہیں' اور دنیا کی واحد سب سے بڑی آبادی ہیں۔ اسلام آج اس پوزیشن میں ہے کہ وسیع تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبادی اور وسائل کی بنا پر ایک وسیع تر بلاک قائم کر سکے۔ اگرچہ بہ ظاہر مسلمانوں میں اس کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے' تاہم برٹ ریڈرسل نے ۱۹۲۹ میں جو پیش گوئی کی تھی کہ عالمی طاقتیں دنیا کے کم ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال کی بنا پر ہمیشہ غالب نہیں رہیں گی بلکہ ترقی پذیر ممالک اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر عالمی طاقت کا توازن بدل کر رکھ دیں گے' پوری ہوتی نظر آتی ہے۔

بیسویں صدی کے وسط سے ہی مغربی مفکرین و ماہرین نے آبادی کے تناسب کے حوالے سے جس تشویش کا اظہار کیا تھا اب وہ واضح طور پر سامنے آتی نظر آ رہی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے اس اضافے کے خلاف مغرب نے جو اقدامات اٹھانا شروع کیے تھے' اب وہ عالمی سطح پر فیصلہ کن مرحلے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا یہ اپنی نوعیت کی منفرد جنگ ہے جس کے اثرات و نتائج اگلی صدی کے ابتدائی سالوں میں نمایاں طور پر سامنے آنے کے امکانات ہیں۔

یورپ بالخصوص امریکہ تحدید آبادی کے منصوبے پر ۱۹۴۰ کے عشرے سے ہی عمل پیرا ہے مگر یہ معاملہ خفیہ تھا' تاہم ۷۰ کے عشرے میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب جاپان امریکہ کے زیر تسلط تھا تو تحدید آبادی منصوبے پر فوری طور پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ اگرچہ امریکی حکومت نے اس کا کبھی کھلے طور پر اعتراف نہ کیا۔ مگر حقائق و شواہد کے مطابق ۱۹۴۰ کے عشرے میں دو معروف امریکی ماہرین آبادیات وارن تھامپسن (Warren Thompson) اور پی کے ویل پٹن (P.K. Whelpton) کو امریکی افواج کے کمانڈر ڈگلس میک آرتھر نے جاپان کی آبادی کے مسئلے پر مشورے کے لیے مدعو کیا۔ اس دوران اس وقت کے امریکی جرنیل ولیم ڈریپر نے جو بعد میں امریکی افواج کے انڈر سیکریٹری بنے' خصوصی طور پر جاپان کے آبادی کے مسئلے پر گفتگو کے لیے دورے کیے۔ یہ دونوں ماہرین آبادیات ۱۹۵۲ میں پاپولیشن کونسل کے تاسیسی اجلاس میں موجود تھے۔ ۱۹۵۸ میں جرنیل ڈریپر کو صدر آئزن ہاور نے اعلیٰ سطحی کمیٹی کا چیئرمین نامزد کیا کہ وہ دوسرے ملکوں کو دی جانے والی امریکی فوجی امداد کا جائزہ لیں۔ یہ وہ پہلا فرد ہے جس نے عوامی سطح پر اس بات کا اعتراف کیا کہ امریکہ ترقی پذیر ممالک کے تحدید آبادی منصوبوں میں براہ راست مالی معاونت کرتا ہے۔

اس طرح بتدریج مختلف ادارے اور تنظیمیں سامنے آتی گئیں جنھیں امریکہ آبادی کے کنٹرول کے لیے مالی امداد دیتا ہے۔ ۱۹۶۷ میں جب سان فرانسسکو کی ایشیا فاؤنڈیشن نے امریکی ایجنسی سی آئی اے کے ذریعے اپنے منصوبوں کو جاری رکھنے کے لیے امریکہ سے فنڈ مانگا تو انکشاف ہوا کہ یہ ادارہ امریکی امداد کے ذریعے امریکی منصوبوں کے لیے کام کرتا ہے۔ ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت ایشیا فاؤنڈیشن کو پہلی مرتبہ باقاعدہ یو ایس ایڈ کے تحت مالی امداد دی گئی۔ اس مرتبہ یہ امداد امریکی بجٹ کی ترقیاتی امداد کی مد سے دی گئی۔ اس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ امریکہ ترقی پذیر ممالک میں اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے

© rasailojaraid.com